فہم قرآن میں نظم کی اہمیت

محمد عمر اسلم اصلاحی

ترجمان القرآن مولانا حمیدالدین فراہیؒ، ان کے تلمیذ رشید مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور اس مکتب فکر کے دوسرے علماء اور محققین کی علمی اور تحقیقی کاوشوں کے باعث نظریہ نظم قرآن اب کوئی غیر معروف نظریہ نہیں رہ گیا ہے بلکہ علم ودانش کی دنیا میں اس نے اپنا ایک مقام و مرتبہ بنالیا ہے اور اسے احترام وتوقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن فہمی کے ایک موثر وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت سے نظریہ نظم قرآن کی اہمیت وضرورت علمی حلقوں میں تسلیم کی جانے لگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں فلسفہ نظم قرآن کو سمجھنے اور اس کے اصول ومبادی سے واقفیت حاصل کرنے کے رجحان میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ اب یہ وقت کی ایک بڑی ضرورت ہے کہ فلسفہ نظم قرآن کو پوری وضاحت اور صراحت سے موثر اور مدلل انداز میں بار بار بیان کیا جائے، اور قرآن فہمی کے باب میں اس کے کلیدی کردار کی توضیح وتشریح کی جاتی رہے۔ نیز اس کے تعلق سے علمی حلقوں میں جو اعتراضات اور تنقیدیں کی جاتی رہی ہیں اور اس کی اہمیت وافادیت کے سلسلہ میں جن شکوک وشبہات کا وقتاً فوقتاً اظہار کیا جاتا رہا ہے ان کا پوری دیانت داری اور سنجیدگی سے تجزیہ کیا جائے، اور ان کا تشفی بخش جواب دیا جائے، تاکہ ممکن حد تک ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکے اور ان ذہنی تحفظات کا سدباب ہوسکے جو اب بھی قرآن فہمی کے اس اہم اور موثر ذریعہ کے استعمال کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ یہ مضمون اسی نوعیت کی ایک کوشش ہے۔

نظم کی تعریف:

علامہ ابوطاہر مجدالدین فیروز آبادی نے نظم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

النظم التالیف وضم	نظم کے معنی ہیں جوڑنا اور کسی چیز کو
شئ الی شئ اخر و	دوسری چیز سے ملانا۔ نظم اللولوٴ
نظم اللولوٴ ینظمہ	ینظمہ نظما و نظّمہ کے معنی ہیں
نظمًا و نظّمہ: الفہو	کسی دھاگے میں اس طرح موتیوں
جمعہ فی سلك	کو پرونا کہ ایک دوسرے مربوط
فانتظم و تنظم والنظام	ہو جائیں۔ اور نظام اس دھاگے
کل خیط ینظم بہ لولو	کو کہتے ہیں جس میں موتی اور اس طرح کی
ونحوہ، ج نُظُم [1]	چیزیں پروئی جاتی ہیں اس کی جمع نُظُم ہے۔

لسان العرب کے مصنف نے نظم کی وضاحت اس طرح کی ہے:

النظم! التالیف۔	نظم کے معنی ہیں ملانا اور جوڑنا۔
نظمہ ینظمہ نظمًا	نظمت اللولوٴ یعنی میں نے موتی
ونظامًا و نظّمہ	کو لڑی میں پرو دیا۔ نظام کے
فانتظم و تنظّم و نظمت	معنی ہیں دھاگہ یا اس قسم کی
اللولوٴ ای جمعتہ فی السلك	کوئی اور چیز جس میں کسی چیز کو
النظام ما نظمت فیہ الشئ	پروتے ہو۔ اس کی جمع انظمہ،
من خیط وغیرہ والجمع انظمۃ	اناظیم اور نُظُم ہے۔
واناظیم ونظم [2]	

نظمِ قرآن:

نظم کی اس لغوی تشریح و تعبیر کے پس منظر میں نظم قرآن کا مفہوم متعین کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ نظم قرآن کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید ایک مربوط اور منظم کلام ہے

اور غیر مربوط بیانات کا مجموعہ نہیں ہے۔ کلام اللہ میں تدبر کرنے والوں کے سامنے یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون یا عمود ہوتا ہے اور سورہ کی تمام آیتیں اسی مرکزی مضمون کی توضیح وتشریح کرتی ہیں۔ اسی طرح جملہ سورتیں باہم مربوط ہیں اور اس طرح پورا قرآن ایک وحدت بن جاتا ہے۔ فلسفہ نظم قرآن کے سب سے بڑے ترجمان اور شارح امام فراہیؒ نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے:

مرادنا بالنظام ان تكون السورة كاملا واحدًا ثم تكون ذات مناسبة بالسورة السابقة و اللاحقة او بالتي قبلها وبعدها على بعد ما، كما قدمنا في نظم الآيات بعضها مع بعض، فكما ان الآيات ربما تكون معترضة. وعلى هذا الاصل ترى القرآن كلّه كلاما واحدا ذا مناسبة وترتيب في اجزائه من الاول[۱]

نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ پوری سورہ ایک مکمل وحدت کی صورت میں ظاہر ہو۔ یہی نہیں بلکہ وہ سورہ یا تو اپنے ماقبل ومابعد کی سورتوں سے مناسبت رکھتی ہو یا ان سے بھی پہلے اور بعد کی سورتوں سے مناسبت رکھتی ہو جیسا کہ بعض آیات کے بعض آیات کے ساتھ نظم کے سلسلہ میں اسکی وضاحت ہوچکی ہے چنانچہ جس طرح بعض آیات بطور جملہ معترضہ آجاتی ہیں، اسی طرح بعض سورتیں بھی اسی نوعیت کی حامل ہوتی ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو پورا قرآن ایک وحدت نظر آئے گا جس کے جملہ اجزا میں شروع سے آخر تک ایک خاص طرح کی مناسبت اور ترتیب پائی جاتی ہے۔

اسی نکتہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلم ان مرادنا من النظام	یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ نظام سے
ان تکون لکل سورۃ صورۃ	ہماری مراد یہ ہے کہ ہر سورہ کی ایک
مشخصۃ فان معانی الکلام	مخصوص ہیئت ہوتی ہے۔ کیونکہ
ارتبط بعضها ببعض و	جب کلام کے معانی باہم دگر مربوط
جرت الی عمود واحد و	ہوں گے، کسی خاص عمود کے گرد
کان الکلام ذا وحدانیۃ	گردش کریں گے اور کلام میں یکجہتی
فحینئذٍ لایکون إلا ولہ	ہوگی تو لازمی طور پر اسکی ایک مخصوص ہیئت
صورۃ مشخصۃ فاذا	ابھر کر سامنے آئے گی۔ اس لئے
نظرت الی الکلام من ھذہ	جب کلام پر اس حیثیت سے
الجھۃ رایت ما فیہ من الجمال	غور کروگے تو اس کا جمال، پختگی اور
والاتقان والوضوح[۱]	برجستگی ابھر کر سامنے آجائے گی۔

ان تصریحات کی روشنی میں نظم قرآن کے مفہوم و مدلول کی بڑی حد تک وضاحت ہوجاتی ہے اور اس کے بنیادی خدوخال سامنے آجاتے ہیں۔ بعض علماء نے اس کے لئے علم مناسبت کی تعبیر اختیار کی ہے لیکن اہلِ نظر اس بات سے واقف ہیں کہ نظم اور مناسبت ایک ہی چیز کے دو نام نہیں ہیں۔ اگرچہ بادی النظر میں ان کے درمیان مماثلت کے کئی پہلو نظر آتے ہیں۔

قرآن فہمی کے باب میں نظم قرآن کی کلیدی اہمیت کے باوجود علماء کے درمیان یہ بڑا متنازع مسئلہ رہا ہے اور قدیم و جدید مفسرین نے اس بارے میں جن نظریات و خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگلے صفحات میں ہم دونوں مکاتبِ فکر کے نمائندہ مفسرین کی آراء کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ہم اس جائزے کی ابتداء حضرت مسلم بن یسارؒ کے ایک قول سے کرتے ہیں جسے ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے۔ اس مختصر سے بیان سے نظم قرآن کے باب میں ان کی رائے واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

اذا حدّثت عن اللّٰہ	جب تم اللہ کی طرف کوئی قول
حدیثا فقف حتی تنظر	منسوب کرو تو ذرا رک کر اس کے
ماقبلہ ومابعدہٖ[۵]	ماقبل و مابعد پر غور کر لو۔

اسی طرح علامہ جار اللہ زمخشری اپنی تفسیر کے مقدمہ میں درج ذیل رائے کا اظہار کرتے ہیں جس سے یہ بات پوری وضاحت سے ابھر کر سامنے آتی ہے کہ وہ قرآن مجید کو ایک منظم اور مربوط کلام مانتے ہیں۔ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "الکشاف" کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

الحمد للّٰہ الذی	سزاوار شکر و سپاس اور لائق مدح
انزل القرآن کلاما مولّفا	و ستائش اللہ کی ذات ہے جس
منظّما ونزلہ بحسب	نے قرآن کو ایک منظم اور مربوط کلام
المصالح منجما و	کی صورت میں نازل فرمایا اور حسب
جعلہ بالتحمید	ضرورت جستہ جستہ نازل فرمایا۔
مفتّحا وبالاستعاذہ	تحمید سے اس کا آغاز اور استعاذہ
مختتما[۶]	پر اس کا اختتام فرمایا۔

امام فخر الدین رازیؒ صاحب "تفسیر کبیر" ان مفسرین میں شامل ہیں جو قرآنی آیات میں ربط و ترتیب کے قائل ہیں۔ اس باب میں ان کے خیالات "تفسیر کبیر" کے اوراق میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان سب کا یہاں جمع کرنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ضروری۔ اس لیے ہم یہاں صرف چند اقتباسات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن سے نظم قرآن کے باب میں ان کے خیالات و نظریات کا کسی قدر اندازہ ہو جائے گا۔ ایک جگہ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان اکثر لطائف القرآن	بیشتر قرآنی لطائف نظم و ترتیب
مودعۃ فی الترتیبات	میں پنہاں ہیں۔
والروابط[۷]	

اسی طرح آیتِ کریمہ:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا	اگر ہم قرآن کو کسی عجمی زبان میں
لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ	اتارتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی
اٰيٰتُهٗ (فصلت: ۴۴)	آیات واضح کیوں نہیں کی گئیں۔

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس آیت کی شانِ نزول کے بارے میں یہ روایت ہے کہ کفار نے ازراہ شرارت کہا کہ قرآن مجید کسی عجمی زبان میں کیوں نہیں اتارا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ۔ ۔ میرے نزدیک اس طرح کی باتوں سے قرآن مجید پر بہت بڑا اعتراض وارد ہوتا ہے اس لئے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ قرآن مجید میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ۔ اس سے قرآن مجید پر ایک بہت بڑا طعن لازم آئے گا اور اس الزام کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید ایک منظم کلام ہے چہ جائیکہ اسے ایک معجز کلام ثابت کرنے کا دعویٰ کیا جائے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ یہ سورہ شروع سے آخر تک ایک مربوط کلام ہے"[۸]

اسی سلسلۂ بیان میں آگے فرماتے ہیں:

"ہر وہ شخص جو ہٹ دھرمی کے بجائے انصاف سے کام لے گا اسے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ جب ہم اس آیت کی تفسیر اس انداز سے کریں گے جس کی تفصیل ہم نے اوپر بیان کی تو سورہ شروع سے آخر تک ایک وحدت میں ڈھل جائے گی جس کا ایک خاص موضوع ہوگا اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تفسیر اس تفسیر سے کہیں بہتر ہوگی جو عام طور سے بیان کی جاتی ہے"[۹]

اسی طرح علامہ کمال الدین زملکانی شافعیؒ اپنے ایک درس میں سورہ اسراء کے تسبیح اور سورہ کہف کے تحمید سے آغاز کی مناسبت اور حکمت پر اظہار خیال کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

"جب یہ بات سورتوں کی نسبت سے ثابت ہو گئی تو پھر آیات کے ایک دوسرے سے تعلق کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔ غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن ایک وحدت ہے"[۱۰]

علوم القرآن پر شہرۂ آفاق تصنیف 'البرہان فی علوم القرآن' کے مصنف امام بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشیؒ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مفسرین کو نظم کلام کی رعایت ہی سے آیات کے مفہوم کا تعین کرنا چاہیے خواہ اس کے لیے لغوی معنی کے بجائے اس کے مجازی معنی ہی کیوں نہ لینا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبِ کشاف جب آیت کا مفہوم سیاق کلام کی رعایت سے بیان کرتے ہیں تو اس جزم کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ گویا اس کے علاوہ وہاں کوئی اور مفہوم ہو ہی نہیں سکتا"[۱۱]

قرآن میں نظم و مناسبت کے قائلین میں امام برہان الدین ابوالحسن ابراہیم بن عمر بقاعیؒ کو امتیازی مقام حاصل ہے اور ان کی تفسیر "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور" اس موضوع پر بڑی اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہاں اس بات کا موقع نہیں ہے کہ اس موضوع پر ان کے خیالات و نظریات کا کوئی مفصل تجزیہ پیش کیا جائے، اس لئے ہم اس باب میں ان کے ایک مختصر اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں جس سے اس سلسلہ میں ان کے انداز فکر اور نقطۂ نظر کا اندازہ ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں:

"قرآن کی ترتیب و مناسبت کا علم ایک ایسا علم ہے جس سے اس کے اجزاء کی ترتیب کے پیچھے کارفرما اسباب و علل کا پتہ چلتا ہے اور یہی اصل بلاغت کا راز ہے کہ مقتضاء حال کے مطابق صحیح مفہوم کی اداگی ہو سکے۔۔۔۔ چنانچہ یہ ایک انتہائی نفیس علم ہے۔ اس

علم کی نسبت علم تفسیر سے ایسی ہی ہے جیسے علم البیان کی نحو سے[12]"

امام ابن قیمؒ آیات قرآن کے درمیان مناسبت کے مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کلام کا حسن یہ ہے کہ خواہ کوئی شعر ہو، خط ہو یا خطبہ، ان کے کلمات ابتداء سے انتہا تک ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ بہترین کلام وہ ہے جس کے اجزاء باہم دگر آپس میں مربوط ہوں۔ قرآن عظیم کی تمام آیات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو[13]"

اسی طرح علامہ ولی اللہ ملویؒ آیات قرآنی کے درمیان مناسبت کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ برسرِ غلط ہے جو یہ کہتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں مناسبت کی جستجو نہیں کرنی چاہئے کیونکہ وہ مختلف حالات کے مطابق نازل ہوا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کا نزول تو حسب حالات ہوا ہے لیکن اس کی ترتیب حسبِ حکمت ہے"[14]

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ صاحب 'الاتقان فی علوم القرآن'، نے قرآنی آیات میں مناسبت اور ربط کی اہمیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"علم مناسبت ایک بڑا باعظمت علم ہے لیکن مفسرین نے راہ کی دشواریوں کے باعث اس کی طرف کم ہی توجہ کی ہے۔ البتہ امام فخر الدین رازی نے اسکی طرف خصوصی توجہ کی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی تفسیر میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بیشتر قرآنی لطائف نظم و ترتیب میں پنہاں ہیں[15]"

فلسفۂ نظم قرآن کے سب سے بڑے علمبردار مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کا استقصاء اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے۔

اس لئے ہم یہاں صرف چند اقتباسات کو نقل کرنے پر اکتفا کریں گے:

اپنی تفسیر 'نظام القرآن' کے مقدمہ میں اس کے اسباب تصنیف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"میں نے دیکھا کہ تاویل میں اختلاف عموماً نظم کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ اگر نظم کلام واضح ہوتا اور کلام کا عمود ہمارے سامنے ہوتا تو ہم سب ایک جھنڈے تلے جمع ہوتے اور ایک بات پر متفق ہوتے۔ اس بارآور درخت کی طرح سے جس کی جڑیں زمین میں پیوست ہوں اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوں۔ اور ہم کتاب اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے ہوتے جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" لیکن اس بنیادی اختلاف سے کیوں کر نجات مل سکتی ہے جب کہ صورتحال یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے اپنے گمان کے مطابق اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے حالانکہ بحمد للہ یہ رسّی اتنی مضبوط ہے کہ باطل اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا، آگے سے نہ پیچھے سے، یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو حکیم وحمید ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے خیال کے مطابق اس کی تاویل کر رہا ہے اور کلام کے رخ کو اس کے اصل سیاق سے کاٹ کر جدھر چاہتا ہے موڑ دیتا ہے حالانکہ نظم ہی سے کلام کے اصل رخ کا اندازہ ہوتا ہے اور اہلِ بدعت وضلالت کی بے راہ روی اور اصحابِ تحریف کی کج روی کا سدّ باب ہو سکتا ہے جن کے بارے میں ارشاد ہے: "اَلَّذِيْنَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ"، جو کلام کی غلط تاویل کرتے ہیں اور اس کو اس کے سیاق وسباق سے کاٹ کر اس کی من مانی تاویل کرتے ہیں۔"[۱۶]

اسی بحث کے ضمن میں وہ مزید لکھتے ہیں:

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ نظم کلام، کلام ہی کا ایک جزء ہوتا ہے چنانچہ اگر اس سے صرف نظر کیجیے، تو واقعہ یہ ہے کہ اس کے معنی کا ایک حصہ جاتا رہے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ترکیب میں ایک زائد حقیقت ہوتی ہے جو ایک چیز کے متفرق اجزا میں الگ الگ نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ جو شخص فہم نظام سے محروم رہا تو وہ کلام کے مفہوم کے ایک بڑے حصے سے محروم رہ جائے گا۔ بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس کا بھی وہی حال ہو جائے جو اس سے پہلے اہل کتاب کا ہوا جن کے بارے میں ارشاد ہے: "فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ" (انھوں نے اس کا ایک بڑا حصہ فراموش کر دیا جس کے ذریعہ سے ان کو یاددہانی کی گئی تھی چنانچہ ہم نے قیامت تک کے لیے ان کے درمیان دشمنی اور تصادم کی آگ بھڑکا دی) سو مجھے تو یہ اندیشہ ہے کہ یہ عداوت اور بغض جو مسلمانوں کے درمیان نظر آتا ہے اسی فراموشی کا حصہ ہو اور اگر صورت حال یہ ہے کہ پھر نہ تو اس عداوت کی آگ ٹھنڈی ہونے والی ہے اور نہ یہ اختلاف ختم ہونے والا ہے اور اس کا سبب وہی ہے جو ہم نے ابتدا میں بیان کیا کیونکہ جب کلام الٰہی کے مفہوم کے باب میں ہمارے درمیان میں اختلاف ہوگا تو لامحالہ ہماری خواہشات میں بھی اختلاف ہو کر رہے گا اور ہمارا حال اہل کتاب جیسا ہو جائے گا۔ ان کے لئے تو ایک مرکز امید یہ نبی تھے اور یہ قرآن جو ان اختلافات کو رفع کر سکتا تھا۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے تو ہمارے لئے تو بس یہی کتاب محفوظ ہے[۵۹]

اسی طرح سید قطب شہیدؒ نے بعض مقامات پر جس طرح آیات کی توضیح وتشریح کی ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ تفسیر قرآن میں نظم کی اہمیت پر

یقین رکھتے ہیں۔ چنانچہ سورہ توبہ کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اس روایت کے ضمن میں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "قلت لعثمان ماحملکم ان عمدتم الی الانفال" پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"سورہ انفال کے بعد سورہ توبہ کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بغیر رکھنے کی سب سے زیادہ مناسب توجیہ یہ روایت کرتی ہے۔ اسی طرح اس سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ مختلف اوقات میں نازل ہونے والی آیات کو سورتوں میں ان جگہوں پر رکھنا اور اس ترتیب سے رکھنا جواب پائی جاتی ہے، دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں آپ کے ارشاد کے مطابق انجام پذیر ہوا۔ اس طرح گویا مختلف سورتیں بیک وقت کھلی ہوتی تھیں چنانچہ جب کوئی آیت یا آیات کسی واقعہ کی مناسبت سے نازل ہوتی تھیں تو وہ یا تو پہلے سے موجود کسی معاملہ سے مطابقت رکھتی ہوتیں کسی حکم کی تکمیل کرتیں یا دین کے عمومی مزاج کے مطابق اس کو ڈھال رہی ہوتیں، چنانچہ اسی مناسبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سورتوں میں ان مخصوص مقامات پر رکھنے کا حکم دیتے جہاں وہ رکھی گئیں۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مختلف سورتوں میں جو آیات شامل ہیں اور سورہ میں ان کی جو مخصوص ترتیب ہے اس میں دراصل ایک خاص حکمت ہے۔"[۵۱]

مولانا ابوالکلام آزاد سورتوں اور آیتوں کے درمیان ربط ومناسبت کے معاملہ میں شکوک وشبہات کے اسباب وعلل کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات وروابط کے سارے الجھاؤ صرف اس لئے ہیں کہ فطریت سے بعد ہوگیا اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو بھی

ایک ایسی مرتب کتاب کی شکل میں دیکھیں جیسی کتابیں ہم مرتب کرتے ہیں۔"[۱۹]

اسی طرح مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فہم قرآن کے تین بنیادی اصولوں (موضوع مرکزی موضوع، مدعا) پر تبصرہ کرنے کے بعد خلاصہ کلام کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

"ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ کتاب کہیں بھی اپنے موضوع اپنے مدعا اور مرکزی مضمون سے بال برابر بھی نہیں ہٹی ہے۔ اول سے لے کر آخر تک اس کے مختلف النوع مضامین اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے ایک ہار کے چھوٹے بڑے رنگ برنگ جواہر ہار کے رشتے میں مربوط و منسلک ہوتے ہیں۔"[۲۰]

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اپنی تفسیر بیان القرآن میں ربط آیات کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ بیان القرآن، کے خطبہ میں انھوں نے ان امور کی وضاحت کی ہے جو اس تفسیر میں ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ اس ضمن میں امر پنجم کے تحت فرماتے ہیں:

"مطلب قرآنی کی تقریر کہیں تو اس طرح کی ہے کہ مضمون کا ارتباط خود ظاہر ہو جائے یا کہیں ایک سرخی ربط کی لکھ کر اس کی تقریر کر دی گئی ہے۔"[۲۱]

پھر اسی موضوع پر ایک حاشیہ میں فرماتے ہیں:

مبنی علی اعتبار الارتباط و	یہ آیات کے درمیان ارتباط و
المناسبة فیما بین الایات	مناسبت پر مبنی ہے۔ اور میرے
والدلیل الشافی علیه عندی	نزدیک اس کی شافی دلیل یہ ہے کہ
انه لو لم یعتبر المناسبة	اگر ان کے درمیان مناسبت کا لحاظ
بینها لما اختلف ترتیب	نہ کیا گیا ہوتا تو تلاوت کی ترتیب
التلاوة عن ترتیب النزول"[۲۲]	نزول کی ترتیب سے مختلف نہ ہوتی۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی اپنی تفسیر میں آیات کے درمیان باہمی ربط اور مناسبت کے پہلو کو ملحوظ رکھا ہے ۔ ایک فصل کے تحت اپنے طریقہ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"جو روش میں نے تفسیر کے متعلق اختیار کی ہے یعنی ایک سلسلہ میں سارے مضمون کو لایا ہوں اس میں علماء مفسرین مختلف ہیں ۔ بعض تو کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا بیان سب مسلسل ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خوامخواہ کا تکلف ہے ۔ قرآن حسبِ موقع نازل ہوتا رہا جس موقع پر نازل ہوا اس سے بے شک مطابق ہے ۔ یہ نہیں کہ ایک دفعہ سارا اترا ہے جس کا سلسلہ وار بیان ضروری ہو ۔

میرے خیال میں دونوں رائیں صحیح ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم حسب موقع نازل ہوتا رہا اور اس موقع کا پہلے موقع سے جس پر پہلی آیت اتری تھی مطابق اور موافق ہونا بھی ضروری نہیں ۔ مگر اس وجہ سے کہ سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہوئی تھی تو کوئی نہ کوئی مناسبت لاحق کو سابق سے ضرور ہوگی مانا کہ اتنی نہیں جو ایک ساتھ اترنے میں ہوتی ۔ آخر اس فعل نبوی کا بھی تو کچھ استحقاق ہے ۔ اس لئے میں نے ایک آیت کو دوسری سے جوڑ دیا اور تلاش کرنے سے کچھ نہ کچھ مناسبت بھی پائی ۔"[۲۳]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ دور حاضر میں تصور نظم قرآن کے سب سے بڑے علمبردار، ترجمان اور شارح ہیں ۔ ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ فلسفہ نظم قرآن کی تعبیر و تشریح میں گذرا ہے ۔ نظم کے وسیلہ سے فہم قرآن کی راہ ہموار کرنے کے سلسلہ میں ان کی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ کا ایک عالم کو اعتراف ہے ۔ انھوں نے صرف نظری اور علمی انداز میں اس فلسفہ کی توضیح و تشریح پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر "تدبر قرآن" لکھ کر اس کا ایک نہایت دلآویز نمونہ علمی دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے

یہاں ہم ان کے ایک مختصر اقتباس پر مضمون کے اس حصے کو ختم کرتے ہیں۔ نظم قرآن کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ اپنی تفسیر "تدبر قرآن" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"نظم کلام کسی کلام کا ایسا جزء لاینفک ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کسی عمدہ کلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ عظیم ستم ظریفی ہے کہ قرآن جس کو فصاحت و بلاغت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے، اور جو فی الواقع معجزہ ہے بھی، ایک بہت بڑے گروہ کے نزدیک نظم سے بالکل خالی کتاب ہے۔ ان کے نزدیک نہ ایک سورہ کا دوسری سورہ سے کوئی ربط و تعلق ہے اور نہ ایک سورہ کی مختلف آیات ہی میں باہم کوئی مناسبت و موافقت ہے۔ بس مختلف آیات مختلف سورتوں میں بغیر کسی مناسبت کے جمع کر دی گئی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسا فضول خیال ایک ایسی عظیم کتاب کے متعلق لوگوں کے اندر کس طرح جاگزیں ہو گیا ہے جس کے متعلق دوست دشمن دونوں ہی کو اعتراف ہے کہ اس نے دنیا میں ہلچل پیدا کر دی، اذہان و قلوب بدل ڈالے، فکر و عمل کی نئی بنیادیں استوار کیں اور انسانیت کو ایک نیا جلوہ دیا۔"[۱۲]

اس مختصر جائزہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ فہم قرآن اور اس کے علوم و معارف اور اسرار و حکم تک رسائی کے لئے نظم قرآن کے تصور کو کتنی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن علوم قرآن کے طلبہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اس بدیہی اور غیر معمولی اہمیت کے باوجود علماء اور مفسرین کی ایک بڑی تعداد نظم قرآن کی قائل نہیں ہے اور وہ اسے ایک تکلف بیجا سے زیادہ خیال نہیں کرتے۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک دلچسپ حقیقت یہ بھی ہے کہ جن لوگوں نے نظم سے انکار کیا ہے وہ بھی ایک طرح سے نظم کی اہمیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ آیات کے مفاہیم کے تعین اور تاویل میں وہ بھی بے تکلف کلام کے سیاق و سباق کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کلام کا سیاق و سباق اسی صورت میں دلیل بن سکتا ہے جب اسے منظم اور مربوط کلام تسلیم کیا جائے۔ ایک غیر منظم اور غیر مربوط کلام کی توضیح و تشریح

کے لئے سیاق وسباق کا حوالہ ایک غیر منطقی بات ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے طور پر ہم یہاں تصورِ نظم کے بڑے ناقد علامہ شوکانیؒ کی مثال پیش کریں گے۔ ایک طرف تو وہ نظم قرآن کو سراسر تکلف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بہت سے مفسرین نے ایک ایسے علم میں سر کھپایا جو سراسر تکلف ہے وہ ایک ایسے دریا میں گھس پڑے جس کو عبور کرنے کی طاقت ان کے اندر نہ تھی اور ایک ایسے فن میں اپنا وقت لگایا جس سے انھیں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ انھوں نے کتاب اللہ سے متعلق ایسے امور میں محض رائے کی بنیاد پر گفتگو کرنے کا خطرہ مول لیا جو یکسر ممنوع ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کی موجودہ ترتیب پر مشتمل آیات میں مناسبت کی جستجو کی اور اس باب میں ایسے تکلف اور زبردستی سے کام لیا جس سے طبع انصاف پسند ابا کرتی ہے اور بلغاء کا کلام بھی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ کلام الٰہی۔ اور انھوں نے خاص اس موضوع پر کتابیں تصنیف کر ڈالیں"[۲۵]

لیکن دوسری طرف آیات کی تاویل وتفسیر میں وہ کئی بار نظم کا سہارا لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ آل عمران کی آیت

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا	اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب
إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ	آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور
بَيْنَكُمْ الخ (آل عمران: ۶۴)	تمہارے درمیان مشترک ہے۔

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قیل الخطاب لاھل	ایک قول یہ ہے کہ اس میں اہل
النجران بدلیل ما	نجران سے خطاب ہے اور اس آیت
تقدم قبل ھٰذہ الآیۃ	سے پہلے جو کچھ مذکور ہوا وہ اس کی
وقیل لیھود المدنیۃ	دلیل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس

وقیل للیھود والنصاریٰ جمیعًا وھوظاھرالنظم القرآنی ولاوجہ لتخصیصہ ببعض[۲۶]

میں خطاب یہود مدینہ سے ہے یہ بھی کہا گیا کہ یہود و نصاریٰ دونوں مخاطب ہیں۔ اور یہی نظم قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ کسی ایک کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اسی طرح سورہ مائدہ کی آیت:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا (المائدۃ: ۲۷)

اور انھیں آدمؑ کے دو بیٹوں کی سرگزشت ٹھیک ٹھیک سنادو جب ان دونوں نے قربانی پیش کی۔

کی تفسیر میں علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

وجہ اتصال ھذا بما قبلہ التنبیہ من اللہ علیٰ ان ظلم الیھود ونقضھم المواثیق والعھود ھو کظلم ابن آدم لاخیہ فالداء قدیم والشر اصیل۔[۲۷]

اس میں اور ماقبل کی آیت میں وجہ اتصال اللہ تعالیٰ کی یہ تنبیہ ہے کہ یہود کا ظلم اور ان کی عہد شکنی اسی طرح کی ہے جیسے آدمؑ کے ایک بیٹے کا ظلم اپنے بھائی کے ساتھ تھا۔ چنانچہ مرض پرانا ہے اور اس برائی کی جڑیں بہت گہری ہیں۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی ان اور ان ہی جیسی دوسری تشریحات کی روشنی میں شائد یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ تصور نظم قرآن کے ناقدین بھی کسی نہ کسی انداز میں اور کسی نہ کسی سطح پر قرآنی آیات کی تشریح و تفہیم کے لئے نظم قرآن کے اصول کا سہارا لینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور اسکی روشنی میں بعض مشکل مقامات پر مخصوص مطالب و مفاہیم مستنبط و متعین کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں۔

نظم قرآن کے ناقدین اپنے موقف کی تائید و حمایت میں کئی دلائل پیش کرتے

ہیں اور ان کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نظم کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر ایک سعی لاحاصل ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی ایک بنیادی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول پورے زمانۂ رسالت پر پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید تیئیس[۲۳] سال کے عرصہ میں مختلف حالات کے لئے گوناگوں احکام لے کر جستہ جستہ نازل ہوا۔ ایک ایسی کتاب جو ان حالات اور اس انداز میں نازل ہوئی اس میں نظم کی تلاش بے سود ہے چنانچہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں:

المناسبة علم حسن	مناسبت ایک عمدہ علم ہے لیکن
ولکن یشترط فی حسن	کلام میں حسنِ ارتباط کی (بنیادی)
ارتباط الکلام ان یقع	شرط یہ ہے کہ وہ کسی ایسے معاملہ سے
فی امر متحد مرتبط	متعلق ہو جن میں اول سے آخر تک
اولہ بآخرہ۔ فان	اتحاد و ارتباط پایا جاتا ہو۔ لیکن اگر
وقع علی اسباب	اس کا وقوع مختلف اسباب کے
مختلفة لم یشترط	تحت ہو تو اس صورت میں ایک
فیہ ارتباط احدھما بالآخر۔[۲۸]	کا دوسرے سے ارتباط ضروری نہیں۔

انکار نظم کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نظم کی روشنی میں تفسیر کرنے کی صورت میں بہت سی ان روایات سے صرف نظر کرنا ضروری ہو جاتا ہے جو نظم کے خلاف ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایسی کسی بھی تفسیر کو جس میں روایت سے استدلال نہ کیا جائے تفسیر بالرای کا نام دے دیا جاتا ہے اور ایسی تفسیر کو ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اصولِ تفسیر کے سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاما تفسیر القرآن	محض رای کی بنیاد پر تفسیر قرآن
بمجرد الرای فحرام ...	حرام ہے۔ اسی لئے سلف میں سے
ولھذا اتحرج جماعة	کچھ لوگوں نے ایسی تفسیر کو نامناسب
من السلف عن تفسیر	خیال کیا ہے جس کا انھیں علم

مالا علم لهم به[۲۹] نہ ہو۔

انکار نظم کی تیسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزدلی نہیں ہے بلکہ یہ ترتیب وہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں انجام پائی۔ ایسی صورت حال میں جب کہ نزولی ترتیب باقی ہی نہیں رہی تو پھر اس میں کسی ربط کی توقع کیوں کر کی جاسکتی ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"آیات کے درمیان مناسبت کی جستجو دراں حالیکہ مصحف کی ترتیب میں کتنی ہی آیات جن کا نزول بعد میں ہوا پہلے ہوگئی ہیں اور کتنی ہی آیتیں جن کا نزول پہلے ہوا بعد میں کر دی گئیں ہیں، دراصل ایک نامعقول بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ترتیب نزول قرآن کے مطابق نہیں ہے بلکہ دراصل یہ وہ ترتیب ہے جو جمع قرآن کے وقت ان صحابہ کرام کے ہاتھوں انجام پائی جنھوں نے اس کام کی ذمہ داری لی[۳۰]"

ان دلائل پر ایک نظر ڈالنے ہی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان میں کتنا وزن پایا جاتا ہے۔ آئندہ سطروں میں ہم ان دلائل کا مختصراً تجزیہ کریں گے تاکہ ان دلائل کی صحیح قدر وقیمت ابھر کر سامنے آجائے۔

پہلی دلیل کی اساس یہ ہے کہ جو کلام کسی ایک ہی حکم کے تحت مکمل ایک ساتھ نازل نہ ہوا ہو اس میں ربط کا امکان نہیں ہے۔ اگر اس دلیل کا بغور جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ اس کا جواب خود اسی اعتراض میں مضمر ہے۔ اگر صورت حال یہ ہوتی کہ قرآن مجید مختلف حالات کے تحت مختلف اوقات میں جس طرح نازل ہوا ٹھیک اسی طرح اسے مرتب کر دیا گیا ہوتا تب تو یہ بناء اعتراض درست ہوسکتی تھی کہ ایک ایسے کلام میں جس کے مختلف اجزاء گوناگوں حالات کے تحت مختلف اوقات میں نازل ہوئے ہوں کوئی ربط و مناسبت کیسے ممکن ہے؟ لیکن صورتِ واقعہ تو اس کے برعکس ہے۔ اب اگر آیات کے درمیان کوئی نظم و ربط ملحوظ نہ ہوتا تو پھر اس کی نزولی ترتیب کو باقی کیوں نہیں رکھا گیا جب کہ قرآن کو منتشر اجزاء کا مجموعہ ماننے کی صورت میں بہتر ترتیب

تو وہی قرار پاتی جو نزولی ہے۔ چنانچہ ربط و نظم کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب نزولی نہیں ہے۔

قرآن مجید تو خالق ارض و سما کا کلام ہے۔ کسی انسانی علمی کاوش کو لیجئے، اور اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے تمام جملوں اور فقروں کو الگ الگ کر کے دیکھئے اور ایک جملے کا دوسرے جملے سے کسی نوع کا تعلق تسلیم نہ کیجئے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے جملوں اور فقروں کو مضمون نگار یا مصنف کی متعین کردہ ترتیب کے پیشِ نظر ملا کر پڑھئے۔ ظاہر ہے مربوط فقروں سے جو معنی و مفہوم منعکس ہوگا اور قاری کے ذہن و دماغ پر جو تاثر مرتب ہوگا وہ جدا جدا فقروں میں ممکن نہیں۔ انکارِ نظم کی صورت میں کیا یہی سلوک قرآن مجید کے ساتھ روا نہیں رکھا جا رہا ہے۔

اور پھر قرآن مجید صرف ایک کتاب ہی نہیں بلکہ کتاب اللہ ہے جسے صرف مسلم ہی نہیں بے شمار غیر مسلم دانشوروں نے بھی ایک معجز کلام اور کلام بلاغت نظام تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ جب قرآن نے عربوں کو چیلنج کیا کہ اگر تم اسے انسانی کلام سمجھتے ہو تو اس جیسی ایک آیت تو کیا بس ایک سورہ ہی پیش کر دو اور اس باب میں جس سے بھی چاہو مدد لے لو، فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ (البقرۃ: ٢٣) تو عرب جن کو اپنی زبان دانی پر ناز تھا گنگ رہ گئے اور آج تک دنیا، علم و ادب اس چیلنج کو قبول کرنے سے قاصر ہے۔ اس اعجاز کا ایک بڑا حصہ ربط کلام میں پوشیدہ ہے۔

اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی بطور خاص ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب خود ہمارے علماء نے قرآن مجید کے بارے میں اس طرح کے خیالات کا اظہار کیا تو ملحدین کے لئے قرآن مجید پر اعتراض کرنے کا ایک بڑا دروازہ کھل گیا اور انھوں نے قرآن مجید پر بے نظمی اور بے ربطی کا الزام لگا دیا۔ اس کا مسکت اور تشفی بخش جواب صرف تصور نظم قرآن کے ذریعہ ممکن ہے۔

دوسری دلیل کی بنیاد یہ ہے کہ ہر وہ تفسیر جس میں روایت سے استدلال نہ کیا جائے وہ تفسیر بالرای ہے اور تفسیر بالرای ناجائز ہے۔ اس باب میں یہ اصولی بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ تفسیر بالرای کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی جائے جو قواعد لسان ولغت سے عدم واقفیت اور مزاج شریعت سے ناآشنائی اور کسی خاص مسلک کی تائید کی کوشش وخواہش کے باعث من مانی تاویل پر مشتمل ہو یا کسی گمراہ کن عقیدے کے اثبات کے لئے کلام الٰہی کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے تو بلاشبہ ایسی تفسیر بالرای مطلق ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن تفسیر بالرای کی ایک اور بھی قسم ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی جائے جو کلام کے سیاق وسباق کے مطابق ہو۔ اس میں فساد عقیدہ کا کوئی شائبہ نہ ہو، کلام عرب سے مستشہد ہو، اصول بلاغت اور اسالیب کلام کے مطابق ہو، نیز نصوص کتاب وسنت سے معارض نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ ایسی تفسیر حرام وناجائز نہیں بلکہ عین مطلوب ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ذہنی تحفظ کی صورت حال اتنی حساس اور پیچیدہ ہو چکی ہے کہ تفسیر بالرای کا نام آتے ہی ذہن فوراً ہی نامحمود تفسیر بالرای کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ مفسر بھی جو محمود تفسیر بالرای کے میدان میں عرق ریزی کرتا ہے طعن وتشنیع کا مورد قرار پاتا ہے۔ حالانکہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے جن کے قول سے تفسیر بالرای کے ناجائز ہونے پر استشہاد کیا جاتا ہے اپنی اسی کتاب میں اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے:

فهذه الآثار الصحيحة	چنانچہ یہ اور اس طرح کے دوسرے
وما شاكلها عن ائمة	آثار صحیحہ جو ائمہ سلف سے منقول ہیں
السلف محمولة على	اس بات پر محمول کئے جائیں گے
تحرجهم عن الكلام	کہ دراصل انھوں نے ان لوگوں کیلئے
في التفسير بما لا علم	تفسیر کے باب میں کلام کرنا مناسب
لهم به فاما من تكلم	نہیں سمجھا ہے جنھیں تفسیر کا سرے سے کوئی علم ہی

بما یعلم من ذالك لغة وشرعا فلا حرج علیه۔[31]

نہیں۔ رہے وہ لوگ جن کو اس باب میں زبان وشریعت کا علم حاصل ہو تو ان کے کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حالانکہ یہ مفہوم نامحمود تفسیر بالرای کے سلسلہ میں 'بمجرد الرای' کے الفاظ کے استعمال سے واضح تھا۔ غالباً اسی الجھاؤ کی وجہ سے ابوالکلام آزاد کو یہ وضاحت کرنی پڑی کہ "تفسیر بالرای کا مطلب سمجھنے میں لوگوں سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ تفسیر بالرای کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن مجید کے مطالب میں عقل وبصیرت سے کام نہ لیا جائے کیونکہ اگر یہ مطلب ہو تو قرآن کا درس ومطالعہ ہی بے سود ہو جائے گا۔ حالانکہ خود قرآن کا حال یہ ہے کہ اول سے لے کر آخر تک تعقل وتفکر کی دعوت ہے اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے کہ

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

دراصل تفسیر بالرای میں "رای" لغوی معنی میں نہیں ہے بلکہ "رای" مصطلحہ شارع ہے اور اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جو اس لئے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے بلکہ اس لئے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا جا سکتا ہے"[32]

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ اسباب وعوامل کیا تھے جن کے زیر اثر علماء مفسرین نے تفسیر بالرای کے باب میں اتنا سخت اور بے لچک موقف اختیار کیا اور فکر اسلامی پر عموماً اور تفسیری فکر پر خصوصاً اس مخصوص انداز فکر ونظر کے کیا اثرات ونتائج مرتب ہوئے۔ مولانا فراہیؒ نے اس پوری صورت حال پر ایک فکر انگیز تبصرہ کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کر دیا جائے۔ امید ہے کہ اس سے پوری صورت حال کی وضاحت ہو جائے گی وہ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب اہلِ سنت نے یہ دیکھا کہ اہلِ بدعت اور اربابِ باطل قرآن کی

من مانی تاویل کرنے لگے ہیں اور نصوصِ قرآنی کو ان کے معنی مراد کے علاوہ دوسرے معانی پر محمول کرتے ہیں تو انھوں نے تفسیر قرآن کے باب میں صحابہ کرام اور تابعین سے مروی آثار کے علاوہ کسی اور چیز سے اشتغال میں سخت مضائقہ محسوس کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے ان کا مقصد محض فتنہ کا سدِ باب تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کا یہی طریقہ تھا بھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر تاویل کو ایسی ٹھوس بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے، جو حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ سکے تو پھر رای محض پر روک نہیں لگائی جا سکتی۔ جہاں تک صحابہ اور تابعین کا معاملہ ہے تو انھوں نے قرآن کی تاویل علم اور صحیح نقطۂ نظر سے کی۔ اور اگر ہم ان اصول کی جستجو کریں جن پر وہ کاربند رہے تو وہ ہمارے لئے کتاب پر تدبر کا بہترین نمونہ ثابت ہوں گے۔ اہلِ تاویل نے ان کے اقوال کا ایک حصہ جمع کر دیا ہے۔ لیکن انھوں نے ان کے اصول تدبر کو منضبط نہیں کیا حالانکہ اس کی شدید ضرورت تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ آیات میں نہایت صراحت کے ساتھ قرآن پر تدبر کو واجب قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ترغیب دیتے رہے اور صحابہ کرامؓ کو تدبر قرآن اور استنباط مسائل کا طریقہ بھی سکھایا اور یہ آپ کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔

لیکن جب لوگوں کے ذہن و دماغ میں یہ خیال جم گیا کہ جو چیز بھی سلف سے مروی نہ ہو وہ رای محض ہے تو یہ چیز تدبر و تفکر کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن گئی۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس فرق کی وضاحت کر دی جائے، جو ممنوع تفسیر بالرای اور سلف کے طریقہ میں پایا جاتا ہے جنھوں نے قرآن پر غور و فکر کیا اور یہ بیان کر دیا جائے کہ کتاب اللہ میں فکر و تدبر کی کتنی سخت ضرورت ہے۔

یہ کس قدر عجیب بلکہ دردناک حقیقت ہے کہ خود اہل حق کے یہاں حق باطل کے ساتھ گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ باطل کیلئے حمایت کا جذبہ محسوس کرتے ہیں اور واضح دلیلوں کے باوجود دن کے بھرے اجالے میں ٹھوکر کھاتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات مشہودہ و متلوۃ میں غور و فکر کو حرام قرار دیدیا اور سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دیدیا حالانکہ انھیں خوب معلوم ہے کہ قرآن مجید دونوں ہی پر فکر و تدبر پر ابھارتا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن پر تدبر کرتے تھے اور اپنے نتائج فکر بیان کرتے تھے اور وہ ان سے نقل بھی کیے جاتے ہیں۔"[۴۳]

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا عدم قائلین نظم کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں انجام پائی ہے اور یہ ترتیب ترتیب نزولی کے خلاف ہے۔ چنانچہ ان کے خیال میں قرآن مجید کی ان آیات میں جواب مقدم رکھی گئی ہیں حالانکہ ان کا نزول بعد میں ہوا ہے اور ان آیات میں جو موجودہ ترتیب میں موخر ہیں حالانکہ نزولی لحاظ سے وہ مقدم ہیں بھلا کیونکر کسی طرح کا ربط پایا جا سکتا ہے۔ اس استدلال کی بنیاد اس مفروضے پر قائم ہے کہ قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا کام دور صحابہ میں صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں انجام پایا۔ اور غالباً اسی وجہ سے نظم کے باب میں یہ اشکال پیدا ہوا۔ حالانکہ صورت واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا کام عہد نبوت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی و رہنمائی میں انجام پذیر ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ مہبط وحی کے علاوہ کسی اور کے ہاتھوں اس کام کی انجام دہی ممکن ہی نہیں تھی۔ دور صدیقی میں حفاظت قرآن کے سلسلہ میں ایک بڑا عظیم الشان کام یہ انجام پایا کہ قرآن مجید کو ترتیب نبوی کے مطابق ایک مصحف میں جمع کر دیا گیا اور دور عثمانی میں جب اسلامی حکومت کی وسعت پذیری کے باعث لہجات میں فرق و اختلاف کی وجہ سے قرأت قرآن کے باب میں ایک بڑے اختلاف کا دروازہ کھلنے کا امکان پیدا ہو گیا تو اس مصحف کے متعدد نسخے

تیار کئے گئے اور انھیں اسلامی مملکت کے اطراف واکناف میں بھیجا گیا اور اس طرح پوری امتِ مسلمہ کو ایک قرأت پر مجتمع کر دیا گیا۔ اور آج تک پوری امت اسی ترتیب اور اسی قرأت پر مجتمع ہے۔ حفاظتِ قرآن کے باب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خدمات اور مساعی جمیلہ غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں لیکن یہ بنیادی نکتہ نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن کی جمع وترتیب جیسا اہتم بالشان کام صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہو سکتا تھا اس لئے کہ کتاب اللہ کی تدوین وترتیب حکم الٰہی کے مطابق ہی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ترتیبِ قرآن کی بنیاد پر نظم قرآن کے انکار کی کوئی مضبوط اساس نہیں ہے۔

جمع وترتیبِ قرآن کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا یہ وہی بات ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ نصوص قرآنی شاہد ہیں کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب اسی اصل ترتیب کے مطابق ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔ ارشاد باری ہے:

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ (عبس: ۱۱-۱۶)	ہرگز نہیں، یہ ایک یاددہانی ہے، پس جو چاہے اس سے یاددہانی حاصل کرے، یہ باعزت، پاک اور بلند صحیفوں میں معزز اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں میں ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (الزخرف: ۳-۴)	ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر اتارا ہے تاکہ تم سمجھو اور بے شک یہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ہے نہایت بلند اور پرحکمت۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ	بلکہ یہ بڑے مرتبہ کا کلام ہے، لوحِ

لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بروج:۲۲) محفوظ میں ہے۔

اسی سلسلہ میں سورہ قیامہ میں ارشاد ہے:

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ	اس کو جلد سیکھ لینے کے لئے اس
لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا	کے پڑھنے میں اپنی زبان کو جلدی نہ
جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا	چلاؤ۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا
قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ	اور اس کو سنانا۔ تو جب ہم اس کو
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ	سنا چکیں تو اس سنانے کی پیروی
(القیامہ: ۱۶-۱۹)	کرو۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا۔

ان آیات کی روشنی میں یہ بات ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہو جاتی ہے کہ اس کی جمع و ترتیب حکم خداوندی کے مطابق ہوئی ہے جو ظاہر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھوں انجام پا سکتی تھی۔

احادیث و روایات کی روشنی میں بھی یہی بات ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفاء کریں گے۔

عن عثمان بن ابی العاص قال:	عثمان بن ابو العاصؓ سے روایت ہے
کنت عند رسول اللّٰہ صلی	کہ انھوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ
اللّٰہ علیہ وسلم جالسًا اذ	صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
شخص ببصرہٖ ثم صوّبہ	تھا کہ اچانک آپ نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں
حتی کاد أن یلزقہ بالارض	پھر جھکا لیں اس حد تک کہ لگتا تھا
قال ثم شخص ببصرہٖ فقال:	کہ زمین سے جا لگیں گی۔ پھر آنکھیں
اتانی جبریل علیہ السلام	اٹھائیں اور فرمایا کہ میرے پاس
فامرنی ان اضع ھٰذہ الآیۃ	جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم دیا
بھٰذا الموضع من ھٰذہ	کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں
السورۃ "ان تذکرون" ان اللّٰہ یامر	جگہ رکھ دوں "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ

بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون[۳۴]	بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ۔
عن ابن الزبیر قال: قلت لعثمان بن عفّان " و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجًا" قال: قد نسختھا الأیۃ الاخریٰ فلم تکتبھا؟ او تدعھا؟ قال یا ابن اخی! لا اغیّر شیئًا منہ من مکانہ۔[۳۵]	ابن زبیرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ انھوں نے عثمان بن عفانؓ سے کہا کہ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا" کو ایک دوسری آیت منسوخ کر چکی ہے تو اسے آپ نے کیوں لکھا ہے یا باقی رکھ چھوڑا ہے پس انھوں نے فرمایا کہ بھتیجے میں اس میں سے کسی چیز کو بھی اس کی جگہ سے بدل نہیں سکتا۔
وعن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ انہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لمّا تنزل علیہ الأیات فیدعو بعض من کان یکتب لہ ویقول لہ: ضع ھذہ الأیۃ فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا وتنزل علیہ الآیۃ والأیتان فیقول مثل ذالک۔[۳۶]	عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب آیات کا نزول ہوتا تھا تو آپ کسی کاتبِ وحی کو طلب فرماتے اور ان سے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں رکھ دو جہاں اس اس طرح سورہ کا ذکر ہے اسی طرح جب ایک اور دو آیتیں نازل ہوتیں تو آپ ایسے ہی فرماتے۔

اسی وجہ سے علماء امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآنی آیات و سور کی موجودہ

ترتیب من جانب اللہ ہے۔ چنانچہ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فاما الآیات فی کل سورۃ	ہر سورہ کی آیات کی ترتیب اور ان
ووضع البسملۃ فی اوائلھا	کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا
فترتیبھا توقیفی بلا شک	ہونا توقیفی ہے اور اس میں کسی شک
ولا خلاف فیہ ولھذا	کی گنجائش نہیں ہے اور اس میں
لا یجوز تعکیسھا[۳۷]	کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ اس
	کا الٹ پھیر جائز نہیں ہے۔

امام سیوطیؒ اس سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الاجماع والنصوص المترادفۃ	اجماع اور مترادف نصوص سے یہ
علی ان ترتیب الآیات	بات ثابت ہے کہ آیات کی ترتیب
توقیفی ولا شبھۃ فی ذالک۔[۳۸]	توقیفی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔

اسی طرح قاضی ابو بکرؒ فرماتے ہیں:

ترتیب الآیات امر واجب	ترتیب آیات کی حیثیت امر واجب
وحکم لازم فقد کان جبریل	اور حکم لازم کی ہے کیونکہ جبریل فرماتے
یقول: ضعوا آیۃ کذا فی	تھے کہ فلاں آیت کو فلاں جگہ رکھو۔
موضع کذا۔[۳۹]	

اس مختصر گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن مجید کی جمع و تدوین خود مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر نگرانی تکمیل پذیر ہوئی اور اس کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے۔ چنانچہ نظم قرآن پر اعتراض کی یہ اساس نہ صرف سخت ناپائدار ہے بلکہ اس سے خود بخود یہ بات ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ آیات و سور کے درمیان ربط و نظم ایک امر بدیہی ہے۔

حواشی

۱ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب شیرازی فیروز آبادی، القاموس المحیط، لکھنؤ، نول کشور، ج ۴، ص ۱۴

۲ ابو الفضل جمال الدین مصری، لسان العرب، دار صادر بیروت ۱۹۵۶ء، ج ۱۲، ص ۵۷۸۔

۳؎ امام حمید الدین فراہی، رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن (المجموعة الاولی) مدرستہ الاصلاح، سرائمیر الدائرۃ الحمیدیۃ، ۱۹۹۱ء، ص ۸۷ ۴؎ حوالہ سابق

۵؎ علامہ ابن کثیر، عمدۃ التفسیر، جلد اول، ص ۸۴ بحوالہ ڈاکٹر محمد عنایت اللہ سبحانی، امعان النظر فی نظام الآی والسور، (تحقیقی مقالہ برائے ماجستر) مخطوطہ، ص ۲۷۔

۶؎ علامہ جار اللہ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، ج ۱، ص ۳-۴۔

۷؎ امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ۔ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکارہ ۱۹۵۷ء، جلد ۱، ص ۳۶۔

۸؎ امام فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، ج ۷، ص ۱۳۲۔ ۹؎ حوالہ سابق، ص ۱۳۴۔

۱۰؎ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۳۹۔ ۱۱؎ حوالہ سابق، ص ۳۱۷۔

۱۲؎ امام برہان الدین ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور ج ۱، ص ۶

۱۳؎ امام ابن قیم، کتاب الفوائد، ص ۲۲۴۔ ۱۴؎ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱ ص ۳۷۔

۱۵؎ امام جلال الدین السیوطی، کتاب الاتقان فی علوم القرآن، الطبعۃ الاولیٰ، جلد ۲، ص ۱۰۸۔

۱۶؎ امام حمید الدین فراہی، فاتحہ تفسیر نظام القرآن، مدرستہ الاصلاح، سرائمیر، دائرہ حمیدیہ ص ۳۔

۱۷؎ حوالہ سابق، ص ۳-۴۔ ۱۸؎ سید قطب، فی ظلال القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ، عیسی البابی الحلبی وشرکاہ، الطبعۃ الاولیٰ، جلد ۱۰، ص ۳۴-۳۵۔

۱۹؎ ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، دہلی، ساہتیہ اکیڈمی ۱۹۸۹ء۔ جلد ۱، ص ۲۵۔

۲۰؎ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، گیارہواں ایڈیشن، ۱۹۶۹ء، جلد ۱، ص ۲۰۔ ۲۱؎ مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، ج ۱، ص ۵۔ ۲۲؎ حوالہ سابق۔

۲۳؎ مولانا ثناء اللہ امرتسری، تفسیر ثنائی

۲۴؎ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی ۱۹۸۹ء جلد ۱، ص ۱۷۔

۲۵؎ علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی، فتح القدیر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ ۱۹۶۴ء ج ۱، ص ۷۲-۷۳۔ ۲۶؎ حوالہ سابق، جلد ۱، ص ۳۶۳۔

۲۷؎ حوالہ سابق، جلد ۲، ص ۳۰۔ ۲۸؎ البرہان فی علوم القرآن۔ ج ۱، ص ۳۷۔

۲۹ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، مجموع فتاوی شیخ الاسلام، دارالعربیہ، بیروت ۱۳۹۸ھ ج ۱۳ اص ۳۷۰-۳۷۱

۳۰ فتح القدیر، ج ۱، ص ۷۳۔ ۳۱ مجموع فتاوی شیخ الاسلام، ج ۱۳، ص ۳۷۴

۳۲ ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۴۴۔ ۳۳ رسائل الامام الفراہی (المجموعۃ الاولیٰ) ص ۲۱۸-۲۱۹۔ ۳۴ مسند الامام احمد بن حنبل، جلد ۴، ص ۲۱۸، بحوالہ امعان النظر فی نظام الآی والسور (مخطوطہ)

۳۵ صحیح بخاری، ج ۲، باب قولہ" والذین یتوفون منکم الخ

۳۶ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ رقم ۷۸۶ بحوالہ امعان النظر فی نظام الای والسور، ص ۸۳۔

۳۷ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۵۶۔ ۳۸ الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱ ص ۶۲۔

۳۹ البرہان فی علوم القرآن، جلد ۱، ص ۲۵۶۔

سرزمین راجستھان سے پہلا معیاری، علمی، دینی، دعوتی و اصلاحی ماہنامہ
جامعۃ الہدایۃ۔ جے پور کا ترجمان، اصلاح معاشرہ کا علمبردار، مدارس
اسلامیہ و عربیہ میں ایک متوازن اور انقلابی نظام تعلیم کا داعی، دعوت دین
کے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اور ادب اسلامی کا نقیب

ماہنامہ **ھدایت** جے پور

دعوت و اصلاح اور تعلیم و ادب کی اس آواز کو گھر گھر پہونچایئے
خود ممبر بنئے اور دوسروں کو بھی بنایئے

شرح خریداری

سالانہ زر تعاون ۱۰۰ سو روپیہ۔ فی شمارہ دس روپیہ
خصوصی زر تعاون پانچ سو ۵۰۰ روپیہ۔ لائف ممبر شپ تین ہزار روپیہ

خط و کتابت کا پتہ

Address:-
HIDAYAT Monthly, Post Box No.35
Khejre ka Rasta, Near Indira Bazar, Jaipur-302?21(Raj)
Ph.(0141) 312386, 319935, Fax: 091-141-311247